مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

پاکستان میں کونسا طرزِ حکومت موزوں ہے؟

برصغیر میں سلطنتِ مغلیہ کے زوال پذیر ہونے پر انگریز نے یہاں اپنے قدم جمانے شروع کئے اور بالآخر انہوں نے زبردستی یہاں اپنا تسلط جما لیا۔ مسلمانوں نے حتی الوسع مزاحمت کی لیکن بے سود۔ انگریزوں کے اس دورِ غلامی میں مسلمان اپنے دین کے معاملہ میں نجی شعبہ میں تو آزاد تھے لیکن اسلام پر پوری طرح عمل پیرا نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اسلام اپنی فطرت میں ایک ہمہ گیر نظریۂ حیات ہے جو اپنے معتقدین سے زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی حکمرانی کا تقاضا کرتا ہے۔

بالآخر مسلمانوں نے محسوس کیا کہ جب تک وہ اپنے لئے الگ ملک حاصل نہیں کرتے ان کا دین خطرے میں ہے، وہ ایک آزاد مملکت میں ہی شعائرِ اسلامی کا تحفظ کر سکتے اور قوانینِ اسلامی پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ اسی نظریہ کے پیشِ نظر پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔

چنانچہ پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے، جس کی تشکیل میں لا الٰہ الا اللہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ ملک اسی کلمہ کے آزادانہ عملی نفاذ کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔ مگر حصول کے بعد حکمران طبقہ نے اپنی مصلحتوں کے پیشِ نظر اسلامی حکومت کے قیام ہی کو مسلسل پس پشت ڈالے رکھا اور اپنے انگریز آقاؤں کی پیروی میں قیامِ جمہوریت کو اپنی منزلِ مقصود قرار دیا۔

شروع ہی سے پاکستان میں اس نعرہ کو بڑا فروغ حاصل رہا ہے کہ "اسلام ایک جمہوری نظام ہے" اور "جمہوریت ہماری سیاست ہے"، مگر تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات یا تو کم علمی اور کوتاہ بینی پہ مبنی ہے، یا پھر عیاری اور منافقت پر ــــ!

زیر بحث مضمون میں دونوں کا الگ الگ تجزیہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ دونوں یعنی جمہوریت اور اسلام کے سیاسی نظام میں کتنا تفاوت موجود ہے۔

جمہوریت کی بنیاد میں جو نظریہ کام کر رہا ہے یہ وہی مادی فلسفہ ہے جس پر مغربی تہذیب کی پوری اساس قائم ہے، اس کے مطابق چونکہ دنیا بغیر کسی خالق کے خودبخود وجود میں آئی ہے اس لئے انسان کا کوئی مالک و آقا نہیں جو اس کی رہبری کی خاطر اصول و قانون وضع کرے، انسان خودمختار ہے، وہ اپنی زندگی سنوارنے کے لئے خود ہی قوانین وضع کر سکتا ہے۔ لیکن چونکہ سب انسان عقل و فہم کے لحاظ سے مختلف ہیں، اس لئے ان کی رائے میں اختلاف لابدی ہے۔ یہ اختلاف جب تک منظم نہ ہو، جنگل شاہی قانون بنتے گا، لہٰذا اس اختلاف رائے کو منظم کرنے کے لئے "رائے عامہ" کی پر فریب اصطلاح کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یعنی وہ رائے جس کی توثیق اقلیت کے مقابلے میں اکثریت کر دے وہی صحیح و صائب ہے۔ اس کے مطابق قوم کے جمہور یعنی عوام (اکثریت) کے فیصلہ کی بنا پر حلت و حرمت کے ہر قسم کے قوانین وضع کر سکتے ہیں۔ کوئی مذہب یا کوئی نظام اخلاق ان کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ حکمران طبقہ عوام کے انتخاب سے حکومت میں پہنچتا ہے، اس لئے وہ رائے عامہ کے فیصلوں کا پابند ہوتا ہے اور ان کے مفاد اور فلاح عامہ کے لئے اپنی بھرپور کوشش صرف کر دیتا ہے، چنانچہ جمہوری طرز حکومت کا بنیادی نظریہ "حاکمیت جمہور" ہے۔

جمہوری ریاستوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اس لئے وہ لادینی (SECULAR) کہلاتی ہیں جس میں ہر فرد کے سامنے ایک ہی نصب العین ہوتا ہے یعنی ذاتی اغراض و خواہشات کی تکمیل۔ اور یہ نصب العین قومی سطح پر پہنچ کر مصلحت، موقع پرستی اور ابن الوقتی بن جاتا ہے اور ایسی قوم پرست ریاست کا نام فلاحی ریاست ہوتا ہے۔

جمہوری نظام کی خرابیاں اس کے طرزِ انتخاب میں پوری طرح اجاگر ہوتی ہیں۔ اگرچہ اسے فی زمانہ بہترین طرزِ حکومت قرار دیا جاتا ہے لیکن عملاً اس سے معاشرہ میں بہت سی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ الیکشن کے موقع پر ووٹ کے انتخاب پر عوام میں دھڑے بندی اور دشمنی کی عام لہر دوڑ جاتی ہے۔ حد یہ ہے کہ ایک گھرانے کے افراد بھی امیدوار کے انتخاب میں متفق نہ ہونے کی بنا پر ایک دوسرے کے مخالف بن جاتے ہیں۔ اور یہ اثرات ابھی ختم نہیں ہو پاتے کہ پانچ سال بعد نئے الیکشن کی تیاری شروع ہو جاتی ہے اور اس طرح مخالفت کا ایک نہ ٹوٹنے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پھر جو پارٹی جیت جاتی ہے وہ بسا اوقات ہارنے والی پارٹی کی تذلیل پہ اتر آتی ہے۔ الیکشن کے دوران اتنا فساد نہیں ہوتا جتنا کہ ہار جیت کے موقع پر ہوتا ہے۔

الیکشن کے دوران کنویسنگ کا غلغلہ، لالچ، دھونس، دھاندلی، عیاری چالاکی اور بددیانتی سب کچھ برسرِعام ہوتا ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ خود حکمران پارٹی ان سب برائیوں میں پیش پیش ہوتی ہے۔ انتظامیہ کو حکمران پارٹی کو کامیاب بنانے کی ہدایات جاری کی جاتی ہیں اور بسا اوقات ان ہدایات کے ساتھ ایسی دھمکیاں بھی دی جاتی ہیں کہ اگر انتظامیہ اس لاڈلے امیدوار کو کامیاب بنانے میں ناکام ہو جائے تو اسے ملازمت تک سے جواب مل جاتا ہے مخالف امیدوار کے ووٹروں کو ڈرانا دھمکانا، لالچ دینا، بددیانتی سے اس کی پرچی اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر لینا، جعلی ووٹ بھگتانا، بیلٹ بکس میں جعلی پرچیاں پہلے سے ڈال دینا، گنتی کے وقت دھاندلی سے پرچیوں کو غلط ملط کر دینا، غرضیکہ ہر قسم کی دھاندلی الیکشن کے دوران جائز سمجھی جاتی ہے۔ فرق صرف دائرۂ اختیار کا ہے۔ حکومتی پارٹی جتنا کچھ کر سکتی ہے مخالف پارٹیاں نہیں کر سکتیں۔ اس لئے بسا اوقات حکومتی پارٹی کا امیدوار ہی جیتتا ہے، اگرچہ وہ نااہل اور عوام کے لئے قابلِ نفرت ہی کیوں نہ ہو۔

اس طرزِ حکومت کی ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ یہاں ؎

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

یہاں ایک جاہل آدمی اور ایک مدبر آدمی، دونوں کے ووٹ کی قیمت یکساں اور مساوی الحیثیت ہوتی ہے۔ حالانکہ معاشرہ میں ذہین اور نابغہ قسم کے انسان جو عقل و فراست

کی بنا پر اپنی پختہ رائے رکھتے ہوں، بہت کم ہوتے ہیں ۔ اکثر بہت معمولی عقل و دانش کے مالک ، معاملہ نافہم اور فراست سے عاری ہوتے ہیں۔

پھر ہر انسان کے ووٹ کی یکساں قیمت مقرر کرنا کون سی دانشمندی ہے ، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"ھل یستوی الاعمیٰ ام ھل تستوی الظلمٰت والنور" (۱۳ : ۱۶)

کیا بھلا نابینا اور بینا شخص برابر ہو سکتے ہیں یا اندھیرے اور اجالا برابر ہو سکتے ہیں ؟

اسی قباحت سے بیزاری کا اعلان کرتے ہوئے علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا تھا ع

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکر انسانے نمی آید

عوام کی اس کمزوری سے عیار قسم کے امیدوار خوب فائدہ اٹھا جاتے ہیں۔ انہیں طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر اپنا الو سیدھا کر لیتے ہیں ۔ انہیں کئی قسم کے وعدے اور لالچ دیکر ان سے ووٹ حاصل کر لیتے ہیں لیکن انتخاب جیتنے کے بعد امیدوار اور اسکے چند معتمد قومی خزانے کو بے دریغ لوٹ کر گلچھرے اڑاتے ہیں اور عوام کو اس وقت یہ احساس ہوتا ہے کہ ع

خود غلط بود آں چہ ما پنداشتیم

جس ملک میں جمہوری طرزِ حکومت کی کارفرمائی ہو، وہاں نت نئی سی پارٹیاں برسات کے کیڑوں کی طرح آئے دن جنم لیتی رہتی ہیں۔ الیکشن کے دوران ہر پارٹی کنویسنگ کے نام پر بے دریغ روپیہ خرچ کرتی ہے ۔ جس سے قومی معیشت کمزور پڑتی ہے اور گرانی میں اضافہ ہوتا ہے۔ بسا اوقات یہ پارٹیاں بیرونی سامراجیوں سے گٹھ جوڑ کر کے بیشتر رقم اس ناجائز ذریعہ سے حاصل کر لیتی ہیں ، پاکستان میں تو یہ سارا کھیل علی الاعلان ہو رہا ہے ۔ اس ناپاک مقصد کی تکمیل کے لئے روس اور امریکہ ہر وقت تیار رہتے ہیں اور ٹوہ میں رہتے ہیں کہ کس آدمی سے ان کی مقصد براری ہو سکتی ہے ۔ ادھر اقتدار کے بھوکے گٹھ جوڑ کے لیے ہر وقت تیار مل جاتے ہیں ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں

نے مل جل کر پاکستان کی نظریاتی بنیادیں متزلزل کر دی ہیں اور لا الٰہ الا اللہ کی بنیادی وحدت کے بجائے یہاں علاقائی اور لسانی تعصبات کو فروغ دیا ہے۔ آخر اسلام دشمن لوگ مسلمانوں کی ملی وحدت کو کیسے گوارا کر سکتے ہیں!

پھر برسر اقتدار پارٹی کا ہر امیدوار جو الیکشن کے دوران جیت جاتا ہے، اس کا اگر الیکشن کے دوران ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہے تو ہر دم اس سوچ میں رہتا ہے کہ جب تک ایک لاکھ کے دس لاکھ وصول نہ کر لے اسے چین کیسے آ سکے۔ چنانچہ رشوتیں لیتا ہے، پرمٹوں، لائسنسوں اور ٹھیکوں کی شکل میں مختلف حیلوں بہانوں سے قومی خزانہ پر ڈاکے ڈالتا ہے۔ حکومتی پارٹی کو اپنے منشور کو عملی جامہ پہنانے کی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی اپنے حواریوں کو ہر جائز و ناجائز طریقہ سے نوازنے کی ہوتی ہے تاکہ آئندہ الیکشن کے موقع پر یہ لوگ پھر کارآمد ثابت ہو سکیں۔ ان سب باتوں کا قومی خزانہ پر جو ناگوار اثر پڑتا ہے، اسے عوام پر مزید ٹیکس لگا کر پورا کیا جاتا ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ جہاں گرانی بڑھتی جاتی ہے وہاں عوام کی مالی استعداد کمزور تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

الیکشن کے بعد کامیاب امیدوار قومی اسمبلی میں، بند کمرے میں ملک کے لئے آئین تیار کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان قوم اور مسلمان ملک جس کی بنیاد ہی لا الٰہ الا اللہ پر اٹھائی گئی تھی، اس کے لئے بند کمرے میں بیٹھ کر قانون تیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ محمد علی جناح صاحب سے جب پوچھا گیا کہ آپ ملک کے لئے کس طرح کا آئین چاہتے ہیں تو انہوں نے نسخہ قرآن پیش کر کے کہا کہ ہمارے لئے آئین تو پہلے ہی سے موجود ہے۔ پھر عرصہ ۲۷ سال سے اسلامی قوانین کے نفاذ میں جو لیت و لعل ہو رہی ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

اصل معاملہ تو بالکل واضح ہے کہ اسلامی آئین سے مقتدر طبقہ کے اقتدار پر، انکی ہوس رانیوں اور بے جا اسراف پر، ان کی جاگیروں، جائیدادوں اور سرمایہ پر جو زد پڑتی ہے، حکمران طبقہ اس کو قبول کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہے۔ وہ عوام کو مطمئن کرنے کی خاطر اسلام کا نام لیتا رہا ہے اور لیتا رہے گا اور اسلامی آئین قبول

کرنے سے گریز کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔

ان عیار لوگوں سے جو اپنے مال و دولت یا چالاکی و بد دیانتی کی بنا پر جیتے ہیں اور پھر بعد میں صرف بیان بازی اور تقریروں سے عوام کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں، جن کی زندگی اطاعت خدا سے عاری شراب و کباب میں گذری ہے ان سے بھلائی، بہتری اور ایفائے عہد کی توقع رکھنا عبث ہے۔ یہ تو عوام کے ووٹ سے عوام ہی کی کھال ادھیڑنے کے لئے حاکم بنے ہیں، شخصی مفادات کے لئے قانون بناتے ہیں اور عوام کی دی ہوئی طاقت سے یہ آمرانہ قانون ان پر نافذ کرتے ہیں۔

اسلامی طرزِ حکومت : الٰہی حکومت

انسان کی اجتماعی زندگی کے قیام کے لئے جتنے ادارے کام کرتے ہیں، ان سب میں سے ریاست کا ادارہ اہم ترین ہے۔ یہ ادارہ زندگی کے دوسرے شعبوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے قیام میں اخلاق اور عدل کو بڑا دخل حاصل ہے کہ ریاست کے قیام کا مقصدِ وحید عوام کے درمیان عدل قائم کرنا ہے۔ اس عدل کے قیام کے لئے دین اصول و قانون اور ضابطۂ اخلاق فراہم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"الا لہ الخلق والامر"

خبردار تخلیق بھی اسی کی ہے اور حکم (قانون) بھی اسی کے لئے ہے۔ چنانچہ مسلمان کے تمام نجی، سرکاری، عدالتی، فوجداری غرض ہر شعبہ میں اسلام کا اپنا قانون ہی لاگو ہو سکتا ہے۔ تمام نبیوں کی بعثت کا مقصد دنیا میں اس قانون کے مطابق اسلامی حکومت و معاشرت کا قیام تھا۔ جس میں سب بندے ایک اللہ کے فرمانبردار ہوں، اس کے علاوہ تمام جھوٹے خداؤں کی فرمانروائی ختم ہو جائے۔ اس لئے سب انبیاء کا متفقہ اعلان تھا:

"یاقوم اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہ غیرہ"

کہ اے لوگو اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔

چنانچہ سورۃ مائدہ میں تین بار ارشاد ہوا ہے:

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الظالمون (۵:۴۵)

اور جو خدا کے نازل شدہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔"

"ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفاسقون" (۵:۴۷)

اور جو خدا کے نازل شدہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں، وہی فاسق ہیں۔

"ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون" (۵:۴۴)

گو ایک مسلمان اگر غیر اسلامی آئین کو گوارا کرتا ہے یا اس کے مقابلے میں کوئی اور قانون بناتا اور اپنے آپ کو خدا کے بجائے عوام کے سامنے جواب دہ سمجھتا ہے تو ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی شرک اور منافقت نہیں ہے۔

چنانچہ اسلامی حکومت کی بنیاد میں جو نظریہ کام کرتا ہے وہ "حاکمیت الٰہی" کا ہے۔ جبکہ جمہوریت حاکمیت جمہور کے تصور پر مبنی ہے، اس لئے اس نظریہ کی بنیاد پر جو عمارت اٹھتی ہے وہ اپنی جڑ سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی شاخ تک ہر چیز میں دنیوی حکومتوں سے جداگانہ ہے۔ یہ اپنی نوعیت، تشکیل و ترتیب اور فطرت میں جمہوریت سے قطعاً مختلف اور الگ ہے۔

الٰہی حکومت کی تشکیل و ترتیب!

(۱) "و اذ قال ربك للملٰئكة انی جاعل فی الارض خلیفة" (البقرۃ)

یعنی انسان اس دنیا میں خدا کا خلیفہ ہے، وہ اس کے قانون کو اسی کے دیئے ہوئے اختیارات کے مطابق نافذ کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔

(۲) "وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض" (الحج)

کہ تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ، جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے، اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلیفہ (حکمران) بنائے گا۔

یعنی کافر اللہ کا خلیفہ نہیں، اللہ کا خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جو مومن ہو اور صالح عمل کا پابند ہو۔ چنانچہ جو بھی مومن ہے وہ اس خلافت کا مستحق ہے۔ یہ خلافت کسی نسل، طبقہ یا گروہ کے لئے مخصوص نہیں ہے۔

ذیل کی حدیث بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے:

"کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ"

کہ تم میں سے ہر شخص اپنی رعیت کے بارے میں (خدا کے سامنے) جواب دہ ہے!"

۳۔ چونکہ خلیفہ ہونے میں سب یکساں ہیں اور مساوی الحیثیت، لہٰذا کوئی کسی سے برتر یا فروتر نہیں۔ اس لئے سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان سب کا مقصد ایک اللہ کی فرمانبرداری ہے اور صرف وہی الٰہ "اللہ" حکمران ہے۔ اس میں اگر کسی کو کوئی فضیلت یا شرف ہے تو وہ شخصی اہلیت، ذاتی کیرکٹر اور تقویٰ کے سبب سے ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے اپنے مشہور خطبہ میں اسلامی ریاست کی یہ اہم دفعہ بیان کی تھی:

"یا معشر قریش ان اللہ قد اذہب عنکم نخوۃ الجاہلیۃ و تعظمہا الآباء، یا ایہا الناس کلکم من آدم وآدم من تراب، لا فخر للانساب لا فضل للعربی علی العجمی ولا للعجمی علی العربی، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم"

کہ اے گروہ قریش اللہ نے تم سے جاہلیت کا بے جا غرور اور آباؤ اجداد کے نام پر ناز ختم کر دیا ہے، اے لوگو، تم سب آدم کی اولاد ہو اور حضرت آدم مٹی سے تھے۔ نسبوں پر فخر جائز نہیں ہے، کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اللہ کے نزدیک وہ معزز ہے جو تم سب سے بڑھ کر متقی ہے۔

۴۔ یہاں چونکہ سب مسلمان مساوی الحیثیت ہیں، اس لئے ہر ایک کو بلا تمیز رنگ ونسل و پیشہ اپنی شخصی اہلیت کی بنا پر اونچے سے اونچے مرتبہ تک ترقی کرنے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ نسبتاً ایک معمولی شخص تقویٰ کی بنیاد پر مسندِ امامت تک پہنچ سکتا ہے اور اسلامی حکومت کا سربراہ تک بن سکتا ہے چنانچہ نبی کریمؐ کا ارشاد ہے:

"اسمعوا واطیعوا ولو استعمل علیکم عبد حبشی"

کہ اگرچہ کوئی حبشی تمہارا حکمران بن جائے، اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ اس طرح اس حبشی امیر کی اطاعت عوام پر فرض ہو جاتی ہے۔

۵۔ چونکہ فضیلت صرف اسی کو حاصل ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے، اس لئے ہر ذمہ دار منصب تک خوفِ خدا رکھنے والا متقی انسان ہی پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ حکومت کی مسند تک پہنچنے والا شخص یا گروہ آمرِ مطلق نہیں بن سکتا۔ یہاں آمریت DICTATORSHIP کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اگر کسی وقت برسرِ اقتدار گروہ یا طبقہ خوفِ خدا سے عاری ہو کر اللہ کے قانون کے بجائے اپنا کوئی ذاتی فیصلہ نافذ کرنا چاہے یا لوگوں کی انفرادی یا اجتماعی ترقی میں کوئی رکاوٹ ڈالنا چاہے (بالفاظِ دیگر آمر بننے لگے) تو عوام (خلفاء جنہوں نے اپنا خلافت کا منصب اس کی ذات میں مرتکز کر رکھا ہے) اسے معزول کرنے کا پورا اختیار رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ حکمران بننے میں ایک طرف اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے، دوسری طرف ان عوام کے سامنے جنہوں نے اپنی خلافت کے اختیارات اس کے سپرد کئے ہیں۔

۶۔ امام منتخب ہونے کے بعد حکمران جماعت یا شخص کا کام الٰہی حکومت قائم کرنا اور قرآن و سنت کے قانون کو نافذ کرنا ہے۔ قانون کی عملی تعبیر میں جو دشواریاں پیش آئیں، ان کو اربابِ فہم و فراست کے مشورہ کے مطابق حل کرنا ہے۔ عوام کے دیئے ہوئے اختیارات کے مطابق ان کی فلاح و بہبود کی پوری کوشش کرنا ہے۔ وہ ان اختیارات کو کسی طور پر بھی ذاتی فائدہ کے لئے استعمال نہیں کر سکتا ورنہ وہ اس بددیانتی کے لئے خدا کے سامنے بھی جواب دہ ہے اور عوام کے سامنے بھی۔

۷۔ امام کے سامنے جو نصب العین ہے وہ رضائے الٰہی کا حصول ہے اور رعایا میں سے بھی ہر فرد کا مقصد یہی ہے۔ اس طرح دونوں کے مقاصد میں ہم آہنگی ہے وہ دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے ہمدردی اور تعاون کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ حکمران ہر قسم کے ظلم و استیصال سے باز رہتا ہے، وہ قومی خزانہ کو اپنی لوٹ کھسوٹ کا شکار نہیں بناتا بلکہ اس کو قومی امانت سمجھتے ہوئے اس کا ایک پیسہ بھی ناجائز خرچ نہیں کرتا۔

دوسری طرف چونکہ حکمران کو رعایا کا پورا اعتماد حاصل ہوتا ہے اس لئے رعایا مکمل طور پر اس کی وفادار ہوتی ہے جس طرح دیگر تمام طرز ہائے حکومت میں حاکم و محکوم کے درمیان اختلاف کی خلیج حائل ہوتی ہے وہ الٰہی حکومت میں بالکل مفقود ہوتی ہے۔

۸۔ امیر ذاتی مرتبہ میں دوسرے شہریوں کے برابر ہے، وہ تنقید سے بالاتر نہیں ہے۔ اس پر برسر عام تنقید کی جا سکتی ہے۔ اس کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کیا جا سکتا ہے۔ وہ عدالت میں اپنی پیشی کے موقع پر کسی امتیازی سلوک کا مستحق نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ بہت سے خلفاء کے متعلق گواہی دیتی ہے کہ وہ قاضی کے سمن پر عدالت میں حاضر ہوئے، معمولی شخص نے ان کے خلاف مقدمہ دائر کر رکھا تھا تو وہ عام شہریوں کے ساتھ کھڑے ہوئے، اپنے خلاف قاضی کا فیصلہ سنا اور پھر اس فیصلے کی پابندی کی۔

۹۔ اس طرح اسلام میں عدالت کا شعبہ انتظامیہ سے بالکل آزاد ہے۔ ایک معمولی سے معمولی مزدور بھی بڑے سے بڑے شخص کے خلاف حتیٰ کہ خود خلیفہ کے خلاف عدالت میں دعویٰ کر سکتا ہے تو قاضی کا فرض ہے کہ اس مزدور کو خلیفہ سے اس کا حق دلوا سکے۔ یا اگر خلیفہ کو اس کی ذاتی حیثیت میں کسی معمولی شہری سے کوئی نقصان پہنچا ہے تو وہ اپنے اقتدار و اختیار کی بنا پر اس سے اپنا حق وصول نہیں کر سکتا۔ بلکہ از روئے قانون اس کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

۱۰۔ اسلامی حکومت اپنی ترتیب میں ایک شورائی حکومت ہے۔ اس میں امیر، امام یا خلیفہ اپنا ہر کام مشورہ سے کریگا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وامرھم شوریٰ بینھم"

کہ مسلمانوں کے تمام امور باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔

امیر کی مجلس شوریٰ (اسمبلی) بھی وہی ہو سکتی ہے جس کو عوام کا اعتماد حاصل ہو اور [illegible]

منتخب ہوں گے۔

اس مجلس شوریٰ میں ہر شخص انفرادی طور پر اپنی رائے پیش کرتا ہے۔ مجلس شوریٰ میں پارٹی بازی کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مجلس شوریٰ میں مختلف پارٹیوں کے نمائندے شامل ہوں اور ہر شخص مجلس شوریٰ (اسمبلی) میں اپنی اپنی پارٹی کی نمائندگی کرتا ہو، خواہ پارٹی کی رائے مبنی بر حق ہو یا مبنی بر باطل۔ بلکہ اسلام کا اصول یہ ہے کہ ہر شخص اپنی ذاتی حیثیت میں اپنی رائے پیش کرے، یا اگر کسی دوسرے آدمی کی رائے کو مناسب سمجھتا ہے تو اس کی حمایت کرے، خواہ یہ شخص اس کی مخالف پارٹی سے ہو۔

۱۱۔ آخری اور اہم ترین نکتہ انتخاب کا ہے کہ کسی بھی منصب کے لئے اس شخص کو منتخب نہیں کیا جا سکتا جو بطور خود اس کا امیدوار ہو۔ یہ طرز انتخاب جس میں ایک منصب کے لئے کئی کئی امیدوار کھڑے ہوں، وہ عرصہ تک اپنے لئے کنویسنگ کرتے پھریں، جلسے ہوں، پوسٹر لگیں، اخباری پروپیگنڈے ہوں، دعوتیں پکیں اور پھر ان میں سے کوئی شخص اپنے مال و دولت، نسلی تفاخر، عیاری و ہوشیاری یا دھونس دھاندلی کی بنا پر منتخب ہو جائے، اسلامی حکومت کو قطعاً زیب نہیں دیتا۔ اسلامی حکومت میں تو کسی امیدوار کو منصب دینا ہی ممنوع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر اس سے منع فرمایا ہے:

لا تسأل الامارة فانك ان اعطیتها عن مسئلة وكلت الیها وان اعطیتها عن غیر مسئلة اعنت علیها "متفق علیه (مشكوٰة)

"تم امارت طلب نہ کرو، اگر تمہارے امارت طلب کرنے پر تمہیں امارت مل گئی، تو وہ تمہارے سپرد کر دی گئی ہے کہ خود ہی حکومت کو سنبھالو اور اگر بغیر طلب کے حکومت مل گئی تو پھر تمہیں اس کے لئے (تائید ایزدی) بھی نصیب ہو جائے گی"

چنانچہ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کے پیش نظر استصواب رائے سے عوام خود ہی اپنے فیصلے سے کسی کو چن سکتے ہیں۔ اسلامی حکومت میں اگر کوئی شخص کسی منصب کے حصول